کیا گزرے گی......

اس دنیا میں کسی سے محبت کی دو بنیادی وجوہات ہوتی ہیں۔ کبھی کسی کی کوئی خوبی یا ادا ہمیں بھا جاتی ہے۔ رنگ، روپ، چہرہ، لب و لہجہ، انداز گفتگو، علم، شخصیت غرض کسی بھی پہلو سے کوئی انسان اپنا نقش ہمارے دل میں قائم کرلیتا ہے۔ یا پھر کسی نے ہمارے ساتھ کوئی بھلائی کی ہوتی ہے۔ جس کے بعد اس کی محبت، شفقت، احسان اور عنایت کا ایک نہ مٹنے والا تاثر دل و دماغ پر ثبت ہو جاتا ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس دنیا میں جو ہستی اپنی خوبیوں اور اپنے احسانات دونوں اعتبار سے سب سے بڑھ کر ہے، اور جو سب سے بڑھ کر انسانوں کی محبت کی مستحق ہے، وہ انسانوں کی دنیا میں سرے سے قابل ذکر ہی نہیں۔ وہ اللہ الرحمٰن الرحیم کی ہستی ہے۔

قیامت قائم ہوگی۔ سرکش و متکبر، ظالم و فاسق سب جہنم رسید ہو جائیں گے۔ باقی لوگ اللہ تعالیٰ کی لطف و عنایت کی بنا پر جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔ لوگ نعمتیں پا کر خالق ارض و سماء کی مہربانی کے احساس سے سرشار ہوں گے۔ پھر ایک روز اللہ تعالیٰ ان اہل جنت کو اپنے حضور طلب کریں گے۔ ان سے پوچھیں گے کہ کیا تم میری نعمتیں پا کر خوش ہو۔ بندے عرض گے، کیوں نہیں۔ ہم صبح و شام ان نعمتوں پر آپ کی حمد کرتے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک ایک کو یہ بتایا جائے گا کہ پچھلی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس کی بے خبری میں اس پر کیا کیا مہربانیاں کی تھیں۔ اس کی جان مال عزت و آبرو کو کس طرح بچایا تھا۔ انھیں بغیر کسی حق کے کیا کیا نعمتیں دی تھیں۔ عجب نہیں کہ پھر کہا جائے کہ جو لوگ اُس بے خبری کے باوجود تڑپ کر صبح و شام میری حمد کرتے رہے، وہ میرے قریب آجائیں۔ باقی لوگ دور اپنی جگہ بیٹھیں رہیں گے۔

اُس دن کیا گزرے گی دور بیٹھنے والوں پر۔ اُس روز کیا مقام ہوگا قریب آنے والوں کا۔ بڑا نصیب والا وہ ہے جس نے اس دن کے آنے سے پہلے قریب آنے کا راز سمجھ لیا۔

قوم کی قسمت

آج جدید دنیا کے مسائل یہ ہیں کہ ماحولیاتی آلودگی پر کیسے قابو پایا جائے۔توانائی کے جدید اور متبادل ذرائع کیسے حاصل کیے جائیں۔صنعت، تجارت، سیاحت کو ترقی دے کر قومی آمدنی میں کیسے اضافہ کیا جائے۔(Organic) غذا کو کیسے فروغ دیا جائے۔

جبکہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ دہشت گردی بنا ہوا ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے بچے جب اسکولوں کو جائیں گے تو اس بات کو کیسے یقینی بنایا جائے کہ دہشت گردان پر حملہ نہ کریں۔لوگ دفتروں اور بازاروں کو جانے کے لیے نکلیں تو کس طرح زندہ وسلامت لوٹ آئیں۔ خودکش حملے، بم دھماکے نہ ہوں یہ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے۔

ہم اس حال کو کیسے پہنچیں ہیں، اس کی سادہ ترین وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کے سامنے دو طرح کی لیڈر شپ ہوتی ہو۔ایک وہ جو ایمان ، اخلاق کی دعوت دیتی ہے۔صبر اور معقولیت کی تلقین کرتی ہے۔دلیل، مکالمے، اختلاف رائے اور رواداری جیسی اعلیٰ اقدار کو فروغ دیتی ہے۔ دوسری لیڈر شپ وہ ہوتی ہے جو جذباتیت کی اسیر ہوتی ہے۔خرافات وتوہم پرستی پر مبنی تصورات کی بنیاد پر لوگوں کے جذبات بھڑکاتی ہے۔نفرت اور فرقہ واریت کی تلقین کرتی ہے۔ اپنے سوا ہر شخص کو باطل اور گمراہ سمجھنے کا درس دیتی ہے۔

ہماری قوم نے برسہا برس سے دوسری لیڈر شپ کا انتخاب کیا ہے۔اپنی عقیدت ومحبت ان پر نچھاور کی۔ ان کو اربوں روپے کے چندے دیے۔ اپنی اولادیں نذر کردیں۔ جبکہ پہلی قسم کی قیادت کی بات سننے سے انکار کردیا۔ان کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کی مہمیں چلائیں۔ان کو قتل کیا اور اوران کو جلاوطن کردیا۔آج ہم جس حال میں ہیں، اسی رویے کی وجہ سے ہیں۔

اگر ہمیں اپنا مقدر بدلنا ہے تو اپنا رویہ اور اپنی قیادت کو بدلنا ہوگا۔اس کے بغیر تاریخ میں نہ پہلے کبھی کسی قوم کی قسمت بدلی ہے نہ آئندہ بدلے گی۔

بادشاہ بھی مرجاتے ہیں

سعوی عرب کے شاہ عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔غریب کی موت میں بھی نصیحت ہوتی ہے،مگر بادشاہ کی موت میں سب سے بڑی نصیحت ہوتی ہے۔

ایک انسان اس دنیا میں جو کچھ پاسکتا ہے، شاہ عبداللہ کی زندگی میں وہ سب کچھ آخری درجے میں موجود تھا۔نوے برس کی عمر پائی۔ 55 برس تک اہم حکومتی عہدوں پر فائز رہے۔ آخری بیس برس ولی عہد اور پھر شاہ کی حیثیت میں سعودی عرب کے مختارکل رہے۔ان کو دنیا کے طاقت ورترین، دولت مندترین اور سب سے زیادہ اثر ورسوخ رکھنے والے حکمرانوں میں سے ایک شمار کیا جاتا تھا۔ذاتی زندگی میں درجن بھر سے زائد شادیاں کیں۔متعدد اولادیں ہوئیں۔ آخری اولاد 79 سال کی عمر میں ہوئی جبکہ 86 برس کی عمر تک تمام امور سلطنت خود چلاتے رہے۔اس طاقت، دولت، صحت اور اقتدار کی بنا پر ان کے پاس ہر وہ چیز آخری درجے میں موجود تھی جس کا تصور بھی ایک عام آدمی کے لیے ممکن نہ تھا۔مگر 23 جنوری 2015 رات ایک بجے وہ زندگی سمیت ہر چیز چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

یہ اس دنیا کا المیہ ہے۔یہی اس دنیا کا المیہ ہے۔یہاں موت آجاتی ہے۔انسان کے پاس سب کچھ ہو تب بھی موت آجاتی ہے۔پھر سب کچھ چھوڑ کر جانا پڑتا ہے۔بیویاں، بچے، دولت، اقتدار، محلات، گاڑیاں، لباس اور پروٹوکول سب چھوڑ کر جانا پڑتا ہے۔آدمی شاہ عبداللہ ہو تب بھی جانا پڑتا ہے۔یہی موت کی وہ نصیحت ہے جو ہر شخص کو سمجھنا چاہیے۔

تاہم ہر انسان کے پاس یہاں یہ موقع بھی ہے کہ وہ خالق کائنات بادشاہ ذوالجلال رب العالمین کا بندہ بننے پر راضی ہو جائے۔ایمان اور اخلاق کو اپنی زندگی بنالے۔اس کے نتیجے میں اس کی موت المیے کے بجائے سب سے بڑی نعمت بن جائے گی۔موت کے ساتھ ہی اس جنت کی بادشاہی مل جائے گی جس کے سامنے دنیا کی کسی بادشاہی کی کوئی حقیقت نہیں۔

کمفرٹ زون Comfort Zone

''اللہ تعالیٰ جب کسی سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں تو وہ اس کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟''

عارف کی محفل کا آغاز ہوا ہی تھا کہ ایک صاحب نے اپنا سوال سامنے رکھ دیا۔ عارف نے مسکراتے ہوئے انھیں دیکھا اور کہا:

ہاں یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں تو وہ اس کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ تو تکوینی معاملہ ہے۔ اللہ کا فیصلہ ہے۔ اس کی حکمت ہے۔ میں ایک زیادہ بڑی بات کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں جس کا تعلق مجھ سے اور آپ سے اور آخرت میں ہمارے اجر سے ہے......''

عارف لمحے بھر کے لیے رکے اور لوگوں کے چہرے پر پیدا ہونے والا سوالیہ نشان گہرا ہوتا ہوا دیکھتے رہے۔

''وہ یہ کہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ اجر اس کام کا ہے جو آسان نہ ہو بلکہ جو مشکل ہو۔ یاد رکھیے جو کام ہم اپنے کمفرٹ زون میں رہ کر کرتے ہیں اس کا اجر ہمیشہ کم ہوتا ہے، چاہے وہ کتنا بڑا کام ہو۔ مگر جو کام ہم اپنے کمفرٹ زون سے باہر نکل کر کرتے ہیں چاہے وہ کتنا چھوٹا ہو اس کا اجر بہت زیادہ ہوتا ہے۔''

''کمفرٹ زون کو کچھ اور واضح کریں۔''، ایک صاحب نے دریافت کیا۔

''دیکھیے ہمارے مزاج، ذوق، طبعیت، حالات اور پس منظر کے لحاظ سے کئی معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا کرنا شروع ہی سے ہمارے لیے آسان ہوتا ہے یا زندگی میں کسی وقت ہو جاتا ہے۔ جیسے جو لوگ مال دار ہیں ان کے پاس روپے پیسے کی اتنی کثرت ہوتی ہے کہ دس

لاکھ روپے خرچ کرنا بھی زیادہ بڑا مسئلہ نہیں ہوتا۔ لیکن ایک غریب کے لیے دس ہزار بھی بہت بڑی بات ہے۔ اسی طرح ایک طالب علم کے پاس فرصت بہت ہوتی ہے۔ لیکن کاروبار اور گھر در کی ذمہ داری میں الجھے شخص کے لیے کسی نیکی کے واسطے وقت نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

اس کی ایک اور مثال صحابہ کرام کا ایمان ہے۔ ان کا ایمان لانا کمفرٹ زون سے باہر نکلنے کے مترادف تھا جبکہ آج میرے اور آپ کے لیے ایمان ایک پیدائشی تحفہ اور ہمارا کمفرٹ زون ہے۔ چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ ہر شخص کے لیے اسی طرح کے کچھ کمفرٹ زون بنا دیے جاتے ہیں۔ ان میں نیکی کرنے کے مقابلے میں کمفرٹ زون سے باہر نکل کر کچھ کرنا ہمیشہ زیادہ باعث اجر ہوگا۔ اس لیے اگر اجر بڑھانا ہے تو یہ معمول بنائیے کہ جب بھی موقع ملے اپنے کمفرٹ زون سے نکل کر کچھ نیکی کیا کریں۔ اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ تنگی میں خرچ کرنا، غصے کو پی جانا، مصروفیت میں نیکی کے لیے وقت نکالنا بہت بڑے اجر کا باعث ہوتا ہے۔ ایسی نیکیوں کی عادت ڈالیں۔

''لیکن کیا کمفرٹ زون کی نیکیوں کا اجر بڑھانے کا بھی کوئی طریقہ ہے؟''، ایک اور صاحب نے سوال کیا تو عارف نے سر ہلاتے ہوئے کہا:

''بالکل ہے۔ کمفرٹ زون کی ہر نیکی کو چھوٹا سمجھیں۔ اللہ اس کا اجر بڑا کر دے گا۔ لیکن یہ آسان نہیں ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ اپنی نیکی کو وہ بڑا سمجھتا ہے۔ یہی اس راہ کی مشکل ہے۔ تاہم اگر آپ اس مشکل پر قابو پا لیتے ہیں؛ بڑی نیکی کو چھوٹا، زیادہ انفاق کو کم، بہت محنت کو تھوڑا اور اعلیٰ کوشش کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں تو پھر آپ کے لیے یہاں بھی بہت بڑا اجر ہے۔''

عارف کی بات تمام ہوئی۔ آج لوگوں نے سیکھ لیا کہ آسانی میں زیادہ اجر کیسے کمایا جاتا ہے اور سہولت میں بھی خدا کی رحمت کیسے حاصل کی جاتی ہے۔

راہ عمل راہ نجات

سرد جنگ (1947 تا1991) انسانی تاریخ کا اہم ترین دور ہے۔اس جنگ میں دوسری جنگ عظیم کے دو فاتح یعنی سوویت یونین اور امریکہ اپنے اپنے اتحادیوں سمیت نصف صدی تک مدمقابل رہے۔اس پورے عرصے میں انسانیت، دو عظیم جنگوں میں کروڑوں لوگوں کی موت کا منظر دیکھنے کے بعد، ایٹمی جنگ کے خطرات سے لرزتی رہی۔ یہ تیسری عالمگیر جنگ اگر ہوجاتی تو پوری انسانیت صفحہ ہستی سے مٹ جاتی۔

یہ نصف صدی کا عرصہ مسلمانوں کے لیے ایک عظیم ترین نعمت تھا۔ جنگ عظیم کی شکست خوردہ یورپی اقوام تمام مسلم ممالک کو آزادی دینے پر مجبور ہوچکی تھیں۔صدیوں سے علمی جمود کا شکار مسلمان اس آزادی کے باوجود دنیامیں ہر میدان میں پیچھے رہ جاتے ،مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قدموں میں تیل کے سمندر بہادیے۔ان کی آبادی اور جغرافیہ ایسا شاندار تھا کہ ساری دنیاان کی اہمیت ماننے پر مجبور تھی۔اس سے بڑھ کر مسلمان کسی سپر پاور سے حالت تصادم میں ہونے کے بجائے دو سپر پاور کی کشمکش میں مکمل چین وآرام کے ساتھ تھے۔

یہ سارے مواقع اس لیے دیے گئے تھے کہ ختم نبوت کے بعد اسلامی دعوت دنیا بھر میں مسلمانوں کے ذریعے سے پھیلتی رہے۔بدقسمتی سے مسلمان لیڈرشپ ان مواقع کونہیں دیکھ سکی۔ وہ دعوت دین اور قومی تعمیر کے بجائے دوسرے لایعنی کاموں میں مشغول رہی۔تاہم حالت امن کی بنااور مسلمان تارکین وطن کے ذریعے سے اسلامی دعوت مغرب میں پھیلنا شروع ہوگئی۔اس دوران میں سرد جنگ ختم ہوگئی۔اس جنگ کے فاتح مغرب کوایک نئے حریف کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سیموئل ہنگٹن نے 1993 میں اپنے مقالے تہذیبوں کے تصادم میں چین اور مسلم دنیا کو ایک ممکنہ حریف کے طور پر پیش کردیا۔

چینی قوم کی قیادت ایک باشعور لیڈرشپ کررہی تھی۔ چنانچہ اس نے یہ فوراً محسوس کرلیا کہ طاقتور اور کمزور کی لڑائی میں ہمیشہ کمزور فریق کا نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ہر موقع پر تصادم سے بچتے ہوئے اپنی کمزوری کو قوت میں بدلنا شروع کردیا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کی نادان لیڈرشپ اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہی۔ یہ لیڈرشپ جو سرد جنگ کے زمانے میں اپنی قوم کی تعمیر میں مکمل طور پر ناکام ثابت ہوئی تھی، ایک دفعہ پھر نادان ثابت ہوئی اور دائیں بازو کے مغربی انتہا پسند طبقے کے بچھائے ہوئے اس جال میں پھنس گئی۔ مغرب کے انتہا پسند طبقے کو جس کمزور حریف کی ضرورت تھی، مسلمان لیڈرشپ نے یہ حریف تھالی میں رکھ کر اسے پیش کردیا۔ چنانچہ 9/11 کے بعد عملی طور پر مسلمان اور اہل مغرب کے دمیان ایک غیر ضروری جنگ شروع ہوگئی۔

اس جنگ میں مسلمانوں کا جو کچھ نقصان ہوا اس سے کہیں بڑھ کر اسلام کی دعوت کا نقصان ہوا ہے۔ اس وقت مغرب میں اسلام فوبیا اپنے عروج پر پہنچ چکا ہے۔ آج ایک طرف مسلمان انتہا پسند ہیں جو معصوم بچوں کو اسکول میں قتل کرتے وقت بھی کلمہ طیبہ اور اللہ اکبر جیسے مقدس الفاظ ادا کرتے اور اسلام کا بدترین تعارف دنیا کو کراتے ہیں اور دوسری طرف مغربی انتہا پسند ہیں جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈا کرکے اپنے عوام کو اسلام سے متنفر کررہے ہیں۔

یوں ہر پہلو سے اگر کسی کا نقصان ہورہا ہے تو وہ اسلام کا نقصان ہے۔ ایسے میں تمام باشعور مسلمانوں خاص کر مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا ایک ایک لمحہ اسلام کے درست تعارف کے لیے وقف کردیں۔ وہ مشتعل ہونے کے بجائے سراپا دعوت بن جائیں۔ قرآن مجید کو مغرب کے ہر گھر میں پہنچادیں۔ پیغمبر اسلام کے اخلاق عالیہ کا عملی نمونہ بن جائیں۔ نفرت اور تعصب پر مبنی ہر بات سننے سے انکار کردیں۔ یہی مسلمانوں کے لیے واحد راہ عمل ہے۔ یہی مسلمانوں کے لیے راہ نجات ہے۔

ابو یحییٰ

اصول پسندی

انذار کا کام

ہمارے ادارے انذار نے دینی پس منظر میں اپنے ذمے جو کام لیا ہے وہ ایمان واخلاق کی اس دعوت کو زندہ کرنا ہے جسے لے کر سوا لاکھ انبیائے کرام تشریف لائے اور جس کی ایک زندہ تصویر تا قیامت قرآن مجید کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ایک دوسرا کام جو ہمارے پیش نظر ہے وہ معاشرے میں کچھ ایسی اقدار کی ترویج کرنا ہے جو قوموں کے لیے زندگی وموت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان اقدار پر کسی معاشرے کی تمام تر ترقی اور کامیابی کا انحصار ہوتا ہے۔ ایسی ہی ایک قدر اصول پسندی ہے جس پر آج تفصیلی گفتگو کرنا میرے پیش نظر ہے۔

اصول پسندی: ایک کائناتی اصول

اصول کیا ہوتے ہیں اور اصول پسندی کی اہمیت کیا ہے، اسے سمجھنے کے لیے ہمیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہماری یہ کائنات جس میں ہم آنکھ کھولتے اور اپنی ساری زندگی گزارتے ہیں، اصولوں اور اصول پسندی کا بہترین تعارف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ پوری کائنات ایسے متعین قوانین اور اصولوں پر بنائی ہے جن کی خلاف ورزی کوئی مخلوق کبھی نہیں کرتی۔ مثال کے طور پر اس کائنات میں روشنی کی رفتار 3 لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔ آپ اس کائنات میں کہیں چلے جائیں ہر جگہ روشنی اسی رفتار سے سفر کرے گی۔ ایک دوسری قسم کی مثال زمین کی گردش ہے۔ زمین اپنے محور پر تقریباً ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے۔ یہ رفتار ہر روز ایک جیسی رہتی ہے۔ دن اور رات کا مقررہ اور قابل پیش گوئی وقت پر آنا جانا اسی متعین گردش کا نتیجہ

ہے۔کائنات کے انھی متعین اصولوں کی بنا پر یہ ممکن ہے کہ ایک کرہ ارض پر زندگی موجود ہے۔ سائنسدان انھی متعین اصولوں کو بنیاد بنا کر نہ صرف دنیا کے حقائق سمجھتے ہیں بلکہ ایسی ایجادات کرتے ہیں جن کی بنا پر ہمارا تمدن ترقی کررہا ہے۔اس بات کو چند مثالوں سے سمجھیں۔

سورج زمین سے تقریباً نو کروڑ میل دور ہے۔ یہ فاصلہ اگر کم ہوجائے تو گرمی کی شدت کی بنا پر نہ صرف اہل زمین بلکہ خود زمین اپنا وجود کھودے گی۔ جبکہ یہ فاصلہ بڑھنے کی شکل میں سردی کی شدت زندگی کی ہر رمق کو ختم کرڈالے گی۔مگر سورج کبھی اس فاصلے کو تبدیل نہیں کرتا۔زمین اور سورج کا فاصلہ اسی طرح مسلسل برقرار رہتا ہے۔یہی معاملہ چاند کا ہے جو زمین سے 3 لاکھ 84 ہزار کلومیٹر دور ہے۔چاند کا یہ فاصلہ سمندروں میں ایک مناسب حد تک جوار بھاٹا پیدا کرتا ہے۔یہ فاصلہ اگر کم ہوجائے تو زمین کے سمندر تمام ساحلی شہروں کو نگل جائیں گے۔مگر ایسا نہیں ہوتا۔

ان جیسی ان گنت چیزیں ہیں جو مقررہ اصولوں کے مطابق اپنا کام کرتی ہیں جس کے نتیجے میں زندگی اس کرہ ارض پر وجود میں آتی اور موجود رہتی ہے۔جبکہ دوسری طرف ہمارا تمدن جن ایجادات پر منحصر ہے وہ تمام تر اسی وجہ سے ہوئی ہیں کہ یہ کائنات اور اس کی تمام قوتیں اور مظاہر کچھ مقررہ اصولوں پر چلتے ہیں۔ان کی بنا پر یہ پوری کائنات قابل پیش گوئی کردار کی حامل ہے۔ مثلاً جہازوں میں استعمال ہونے والے اسٹیل اور الومینیم کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنا دباؤ اور درجہ حرارت برداشت کرسکتے ہیں۔ان کی یہ خصوصیت کبھی نہیں بدلتی۔ چنانچہ ان کو اطمینان کے ساتھ جہاز بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔یہی معاملہ ہوا اور پانی کا ہے۔جن کی متعین اصول وقوانین کی بنا پر ٹنوں وزنی جہاز ان پر اطمینان سے اڑتے اور تیرتے ہیں۔

انسان: اصول اور آزادی

کائنات کی یہی اصول پسندی اور اس کا قابل پیش گوئی کردار ہی وہ چیز ہے جو زمین پر ہماری

زندگی اور تمدن کا باعث ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آسمان وزمین کی تسخیر سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اللہ کی عظیم نعمت ہے جو اس نے انسانوں پر کی ہے۔ وہ انسان جو اس کائنات کا حصہ ہونے کے باجود اپنی ایک مرضی اور ارادہ رکھتا ہے۔ اس مرضی اور ارادے کی بنیاد پر انسان آزاد ہے کہ چاہے تو کسی اصول کی پابندی کرے اور چاہے تو نہ کرے۔

تاہم اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر یہ خصوصی کرم فرمایا ہے کہ انھیں ان بنیادی اصولوں کی رہنمائی خود عطا فرمائی ہے جس میں ان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ ان اصولوں کو قرآن مجید کی اصطلاح میں ایمان اور عمل صالح یا ایمان واخلاق کے فطری اصول کہا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ اصول ایسے ہیں کہ انسان اگر خود سے طے کرنا چاہتے تو ہزار ٹھوکریں کھا کر بھی درست راہ پر نہیں پہنچ پاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ ایک طرف فطرت انسانی میں ان کو القا کیا تو دوسری طرف انبیاء علیھم السلام کے ذریعے سے ہر دور میں ان کی طرف انسانیت کی رہنمائی کی اور آخری دفعہ قرآن مجید میں ہمیشہ کے لیے ان اصولوں کو محفوظ کر دیا گیا۔

ان دو الہامی اصولوں کے علاوہ انسان اپنے تجربات کی بنیاد پر دو قسم کے اصول اور بناتا ہے۔ ایک قسم کے اصول وہ ہیں جو انسانی سماج سے جنم لیتے ہیں اور عرف عام میں ان کو اقدار کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آزادی ایک بڑی قیمتی انسانی قدر ہے۔ اسی طرح بڑوں کا احترام اور خواتین کی عزت بھی ایک بڑی اہم انسانی قدر ہے۔ دوسری قسم کے اصولوں کا ماخذ ریاست ہوتی ہے۔ یہ انتظامی نوعیت کے اصول ہوتے ہیں اور عام طور پر قوانین کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی ایک مثال ٹریفک کے قوانین ہیں۔

اصول پسندی: فلاح کی ضامن

یہ تمام اصول ایسے ہیں کہ ان کی پابندی دنیا وآخرت میں انسانی فلاح کی ضامن ہے۔ پہلے

الہامی اصولوں کو لے لیجیے۔ پہلا الہامی اصول ایمان ہے جس کی اساس اللہ کو تنہا معبود سمجھنا ہے۔انسانیت نے شیطان کے زیر اثر اکثر اس اصول کی خلاف ورزی کی۔ اللہ کے شریک بنائے۔مخلوقات کی پرستش کی۔ انسانوں، جنوں فرشتوں، اپنا علماء ودرویشوں کو وہ مقام دیا جو صرف اللہ کا ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر دور میں مذہب کے نام پر کچھ انسان دوسرے انسانوں پر مسلط رہے۔ پاپائیت، برہمنیت اور دیگر شکلوں میں مذہب کے نام پر عام آدمی کا استحصال ہوتا رہا۔ سیاسی طبقات نے اہل مذہب کے ساتھ مل کر عام انسانوں کی زندگی مشکل بنادی۔حکمران خدا بن بیٹھے اور انسانوں کی تقدیروں کے فیصلے کرنے لگے۔

اس کے برعکس جب کبھی تنہا توحید کے اصول کی بنیاد پر انسانی معاشرے قائم ہوئے تو انسانیت نے خلافت راشدہ کے دور میں یہ منظر دیکھا کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت کے حکمران عام انسانوں کی طرح زندگی گزارتے اور ریاست کے سارے وسائل غریبوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف تھے۔

الہامی اصولوں کی دوسری اساس اخلاقیات ہے۔اس کا ایک اساسی اصول عفت کو اختیار کرنا اور بدکاری سے پرہیز ہے۔ اس اصول کی پیروی کا نتیجہ وہ خاندانی زندگی ہے جس میں بچوں کو ماں باپ اور بزرگوں کا تحفظ اور بوڑھوں کو نوجوانوں کا سہارا میسر رہتا ہے۔ جبکہ اس اصول کی خلاف ورزی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان نفسیاتی طور پر کبھی مطمئن زندگی نہیں گزارتا۔ خاندان تباہ ہوجاتے ہیں۔ ناجائز بچے، سنگل پیرنٹ فیملی کے مسائل معاشرے میں زبردست عدم توازن پیدا کرتے ہیں۔جسمانی اور ذہنی بیماریاں عام ہوجاتی ہیں۔

اس کے بعد انسانوں کے بنائے ہوئے سماجی اور انتظامی اصول آتے ہیں۔ سماجی اصولوں کی ایک عام مثال قطار بنانا ہے۔جس معاشرے میں قطار بنانے اور اپنی باری کا انتظار کرنے کا

رواج نہ ہو وہاں ہمیشہ لڑائی جھگڑا رہتا ہے۔انتظامی اصولوں کی ایک مثال ٹریفک کے قوانین ہیں۔ جب لوگ ان قوانین کی پابندی نہیں کرتے تو ہزاروں حادثات کی نظر ہو جاتے ہیں جبکہ اس سے کہیں زیادہ لوگ زخموں اور معذوری کا شکار ہوتے ہیں۔

اصولوں کی خلاف ورزی کی وجوہات

اصولوں کی یہی وہ اہمیت ہے کہ ساری مہذب دنیا میں اصولوں کی پابندی کو ایک بنیادی قدر سمجھا جاتا ہے۔اصولوں کی پابندی کرنے والے لوگ مہذب سمجھے جاتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ قابل پیش گوئی کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ان پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔مناسب وذمہ داریاں ان کے حوالے کی جاسکتی ہیں۔ایسے لوگ لوہے کی طرح پختہ اور صاحب کردار ہوتے ہیں۔

ان سارے حقائق کے باجود لوگ اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ خاص کر ہمارے معاشرے میں اصول پسند ہونا بے وقوف ہونے کے مترادف ہے۔تاہم یہ کوئی اتفاقی صورتحال نہیں ہے۔اس کی کچھ وجوہات ہیں جن کا سمجھنا ضروری ہے۔

پہلی اور بنیادی وجہ ہمارے نظام تعلیم کی کمزوری ہے جس میں تربیت اور شعور سازی کا عمل شامل نہیں۔اصول پسندی قومی سطح پر بڑوں کو نہیں بلکہ بچوں کو سکھانے کا عمل ہوتی ہے۔چھوٹی عمر ہی سے اگر اصولوں کی پابندی کی عادت ڈلوادی جائے تو بچے ساری زندگی ان کی پیروی کرتے ہیں۔مگر ہمارے ہاں صورتحال یہ ہے کہ نہ صرف اسکول اور اساتذہ تربیت کے تصور سے محروم ہیں بلکہ معاشرے میں تربیت کرنے والے سارے ادارے یا تباہ ہو چکے ہیں یا پھر ان کی دلچسپی کا محور کچھ اور چیزیں ہیں۔ والدین کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں۔ محلے اور خاندان کے بزرگ اب باقی نہیں رہے۔آئمہ مساجد اور علماء کی دلچسپی کے موضوعات کچھ اور ہیں۔ میڈیا کے لیے شوبز، کھیل اور سیاست سب سے زیادہ اہم ہے۔ایسے میں کون تربیت کرے، کون شعور پیدا

کرے اور اصول سکھانے کا دردسر کون مول لے۔

دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ اصول پسندی کچھ جبلی انسانی تقاضوں کے خلاف ہوتی ہے۔ مثلاً مفاد پرست، خواہش پرست، جذباتی اور متعصب انسان کبھی اصول پسند نہیں ہوتا۔ ایک مفاد پرست شخص اطمینان سے رشوت لیتا ہے اور ذاتی فائدے کے لیے دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ایک خواہش پرست شخص اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے کسی کی بھی جان مال آبرو کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔ ایک متعصب شخص حق و باطل اور صحیح و غلط سے بالاتر ہو کر اپنے تعلق اور گروہی عصبیت کی بنیاد پر چیزوں کو دیکھتا ہے اور اسی بنیاد پر چیزوں کی حمایت یا مخالفت کا فیصلہ کرتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مفاد، خواہش اور تعصّبات کا اگر کہیں غلبہ ہے تو پھر اصول وہاں کبھی نہیں پنپ سکتے۔

اصولوں کی خلاف ورزی کی ایک اور اہم وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ عام طور پر سہولت پسند ہوتے ہیں۔ جبکہ عام طور پر اصول کی پیروی ایک مشکل کام ہوتا ہے۔ چلتی ہوئی گاڑی سے کوڑا پھینکنا بہت آسان کام ہے۔ مگر ایک تھیلی میں ڈال کر کوڑا جمع کرنے اور کسی کوڑے دان میں جا کر اسے ڈالنا مشکل کام ہے۔ رات دیر تک جاگنا اور دیر تک سونا مزے کا کام ہے اور فجر کے لیے صبح سویرے اٹھنا ایک مشکل کام ہے۔ چنانچہ سہولت پسند لوگوں کو کسی ایسے اصول کی پیروی بھی بے حد مشکل لگتی ہے جسے وہ درست سمجھتے ہوں اور کرنا بھی چاہتے ہوں۔

اصول پسند کیسے بنیں؟

اصول پسند بننے کے لیے پہلی چیز یہ ہے کہ ہم اپنے اندر، اپنے بچوں اور گھر والوں میں اور ہر جگہ اصولوں کا شعور پیدا کریں۔ اصولوں کی اہمیت کو نمایاں کریں۔ یہ بتایا جائے کہ اصول پسند شخص ہی صاحب کردار ہوتا ہے اور کردار ہی وہ چیز ہے جو انسان کو جانوروں سے مختلف بناتی ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ ہم اصول کی پابندی کے نتیجے میں ملنے والے ذہنی سکون کی اہمیت کو

سمجھیں۔ جو شخص اصول کی پابندی کرتا ہے بعض اوقات اسے کچھ نقصان ہوتا، کچھ فائدہ چھوڑنا پڑتا ہے۔ مگر اس کے نتیجے میں اسے ایک مستقل ذہنی سکون حاصل رہتا ہے۔ وہ اس ذہنی کشمکش سے محفوظ رہتا ہے جو بے اصول انسان کے ذہن اور زندگی میں ہمیشہ برپا رہتی ہے۔ یہ ذہنی سکون اتنی بڑی چیز ہے کہ انسان لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے بھی اس کو حاصل نہیں کرسکتا۔ جبکہ ایک اصول پسند انسان کی زندگی میں یہ سکون ہر وقت ہوتا ہے۔

اصول پسند بننے کے لیے تیسری چیز اپنے مقصد زندگی کا شعور ہے۔ ایک بندہ مومن کے سامنے سب سے بڑا مقصد جنت کا حصول ہوتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مفاد پرست، خواہش پرست یا متعصب شخص جنت میں نہیں جاسکتا۔ چنانچہ ایسا شخص اپنے مفادات، خواہشات اور تعصّبات سے زیادہ اصولوں کو اہمیت دیتا ہے۔ یہ اصول ایمان و اخلاق کے بھی ہوتے ہیں اور سماج و قانون کے اصول بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جنت کی منزل کی طرف بڑھتے ہوئے وہ ہمیشہ اس بات کو ذہن میں رکھتا ہے کہ اسے اصولوں کی پابندی کرنی ہے۔ اس کے بغیر وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

اس ضمن کی آخری چیز ایک دوسرے کو توجہ دلاتے رہنا ہے۔ قران مجید اسی کو تواصوابالحق اور تواصوابالصبر کہتا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص حالات اور معاملات سے متاثر ہوکر کبھی بے اصولی کرسکتا ہے۔ مگر یہ دوسرے لوگوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اصولوں اور سچائی کا شعور زندہ رکھیں۔ یہ وہ عمل ہے جو انسان کو ہر حال میں حق پر ثابت قدم رکھتا ہے اور ڈگمگانے کی صورت میں اسے واپس راہ راست پر لاتا ہے۔

جہاں رہیں بندگان خدا کے لیے باعث رحمت بنیے، باعث آزار نہ بنیے۔

مکاتیب

ابو یحییٰ

حق اور اپنا حق

میرے عزیز آپ نے فرمایا ہے:

رائے سر کیسی، میں تو اس پر قائم ہوں جو حق ہے۔

میرے عزیز مجھے حسن ظن ہے کہ آپ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جس کو اپنی رائے میں حق سمجھتا ہوں اس پر قائم ہوں۔ ورنہ اگر صورتحال یہ ہے کہ جو آپ سمجھتے ہیں وہی حق ہے تو جان لیجیے کہ ختم نبوت کے بعد اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ جس پر میں قائم ہوں وہی حق ہے۔ ہم سب انسان ہیں۔ اپنی خواہشات، تعصّبات، جذبات اور علم وفہم کی کمی جیسی بیماریوں کے مریض ہیں۔ ایسے مریض اگر حق کا دعویٰ کر دیں تو دنیا کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ کیونکہ پھر ہر شخص کا ایک حق ہوتا ہے اور باقی لوگ باطل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ تلوار لے کر نکل پڑتا ہے اور اہل باطل کو مارنے لگتا ہے۔

اس لیے درخواست یہ ہے کہ اس راستے پر قدم مت رکھیے جو دوسروں کی دنیا اور اپنی آخرت کو جہنم بنا دیتی ہے۔ رائے قائم کیجیے اور ظاہر ہے کہ انسان جس کو حق سمجھتا ہے اسی رائے کو اختیار کرتا ہے، مگر تیار رہیے کہ جب کبھی غلطی واضح ہوگی رائے بدل لوں گا۔ یہ ہے میرے اور آپ کے حق کی حقیقت۔ انبیاء علیھم السلام جن پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں، پہلے دن سے آخری دن تک حق پر کھڑے ہوتے ہیں۔ نہ ان کی رائے بدلتی ہے نہ حق بدلتا ہے۔ کیونکہ وہ عالم کے پروردگار سے پا کر بولتے ہیں۔ کوئی اور یہ دعویٰ کرنے کی کوشش کرے گا تو قیامت کی بدترین رسوائی کے لیے اسے تیار رہنا چاہیے۔

امید ہے حق اور اپنے حق کا فرق واضح ہو گیا ہوگا۔

والسلام

ابو یحییٰ

سوال و جواب

بنت عتیق/ابو یحییٰ

نماز کو بہتر بنانے کا طریقہ

سوال: السّلام علیکم!

سورہ معارج کی آیات نمبر 19 تا 23 میں اللہ نے فرمایا ہے: ’’بیشک انسان بڑا بے صبرا (کم ہمّت) پیدا کیا گیا ہے۔ جب اسے کوئی برائی پہنچے تو گھبرا اٹھنے والا ہے۔ اور اسے آسائش پہنچے تو بخل کرنے والا ہے۔ ان نمازیوں کے سوا جو اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں۔‘‘

میرا سوال یہ ہے کہ میں اپنی حد تک کوشش کرتا ہوں کہ نماز کی پابندی کروں اور شاید ہی کوئی نماز قضا ہوتی ہے۔ مگر مجھے نماز سے یہ مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہو رہے، میری طبیعت میں گھبراہٹ جوں کی توں موجود ہے۔ کیا آپ مجھے کوئی ذریعہ بتا سکتے ہیں جہاں سے مجھے فطرت میں پھیلی اللہ کی نشانیوں میں غور کی وجہ سے ایک دفعہ پھر معرفت رب کی دولت میسّر آ سکے؟ نماز کو بہتر بنانے کا اور کیا طریقہ ہے جس سے میں اپنے رب سے قریب ہو سکوں؟ عرفان راشد

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرفان صاحب، آپ نے جس قرآنی آیت کا حوالہ دیا ہے، اس میں دراصل اُن کفار و منافقین کے رویے پر تنقید کی گئی ہے جن کی آنکھوں پر مادیت کی پٹی بندھی تھی۔ دنیاوی ساز و سامان اور دنیاوی فوائد ہی ان کی تسکین کا باعث تھے اور یہ پا کر وہ بخل کی راہ اختیار کرتے۔ اور دنیا کے نقصان پر ان کی جان جاتی تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس اُن مومنین کی صفات تفصیل سے بیان کی ہیں جو مادیت سے پرے حکمت و روحانیت کی راہ کے مسافر تھے۔ نماز کے ذکر کے بعد ان کے انفاق، ان کے ایمان،

ان کی دیانت داری اور عفت وحیا، غرض ان سچے مومنین کی اعلیٰ شخصیت کا تعارف پیش کیا ہے۔

یہ تقابلی جائزہ بتاتا ہے کہ ایک مومن کے یہ تمام اوصاف اسے اُس رویے سے باز رکھتے ہیں جو آیت 19 میں بیان ہوا، یعنی بے صبری، بے حوصلگی۔ اس مادیت سے پاک مضبوط شخصیت کا حامل انسان جسے خدا پر کامل یقین ہو اور جس کے پیشِ نظر آخرت کی کامیابی ہو تو دنیاوی نقصانات یا بظاہر مایوس کن حالات و واقعات اس سے اس کی امید اور حوصلہ نہیں چھینتے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا رب سب سے بڑا منصف اور رحیم ہے۔

جہاں تک بات ہے نماز میں بہتری اور خشوع کی تو سب سے اہم ہے رب کی عظمت اور اپنے عجز کا احساس جو ہر دم ہم پر طاری رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات کا بوجھ دل پر ہو تو یوں بھی انسان کا وجود شکر گزاری کے احساس سے جھُک کر وہ خشوع حاصل کر سکتا ہے۔ خشوع اس احساس کا نام ہے کہ ہم ایک بلند و عظیم ہستی کے سامنے کھڑے ہیں۔ اس کے لیے آنکھ میں آنسو اور دل میں رقت اور خیالات میں یکسوئی ضروری نہیں، صرف نماز میں یہی احساس زندہ رہے کہ میں اللہ کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ کر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا ہوں تو بڑی بات ہے۔

اس کے لیے میرے اپنے تجربے کے مطابق سب سے موثر ذریعہ دعا کا ہے۔ شیطان اکثر ہماری کیفیات اور خشوع کے بیچ حائل ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں خدا سے دوری محسوس ہوتی ہے۔ ایسے میں خدا کو سچے دل سے ہدایت و معرفت حاصل کرنے کے لیے پُکارا جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ اللہ سے تعلق مضبوط کرنے کے لیے قرآن کریم ترجمہ و تفسیر سے پڑھنے کی عادت ڈالیں۔ اللہ کے مطالبات کو جان کر اسے پورا کریں۔ ساتھ ہی اچھی باتیں سُن کر دوسروں تک پہنچائیں۔ اس سے اپنے تزکیے میں بہت مدد ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

نمازِ فجر میں کیسے اٹھا جائے

سوال: فجر کی نماز اکثر قضا ہو جاتی ہے۔ ایسا کیا کروں کہ وقت پر جاگ سکوں؟ س۔ج۔

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صبح کی نماز وقت پر پڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنا معمول بہتر بنایا جائے۔ اس کی زیادہ تر وجہ رات کو دیر سے سونا ہوتی ہے۔ دیر سے سونے کی بنا پر فجر کی نماز کے وقت تک انسان کی نیند نہیں بھری ہوتی۔ اس لیے آنکھ کھلنے کا امکان کم ہوتا ہے۔ انسان اگر جلدی سو جائے تو وہ نسبتاً آسانی کے ساتھ فجر کے وقت اٹھ سکتا ہے۔ دوسری چیز سونے سے پہلے قطعی ارادہ کرنا ہے ہے کہ فجر میں ضرور اٹھنا ہے۔ اس کے لیے اللہ سے مدد کی درخواست کی جائے۔ فجر کے لیے الارم لگایا جائے۔

ان دونوں اہتمام کے بات انشاء اللہ آنکھ ضرور کھلے گی۔ تاہم بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ آنکھ کھل بھی جائے تو نیند کے غلبے میں الارم بند کر کے پھر سو جاتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ الارم سرہانے پر رکھنے کے بجائے تھوڑا دور رکھیں تا کہ اٹھ کر گھڑی یا موبائل تک پہنچیں۔ اس طرح اٹھنے سے نیند کا وہ غلبہ ختم ہو جائے گا جس میں انسان الارم بند کر کے سو جاتے ہیں۔ ایک اور غلطی لوگ یہ کرتے ہیں کہ آنکھ کھلنے کے بعد یہ سوچتے ہیں کہ پانچ سات منٹ اور سو جائیں۔ یاد رکھیں اس کے بعد اتنی گہری نیند آتی ہے کہ انسان کے لیے جاگنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے پہلی دفعہ میں فوراً ہمت کر کے کھڑی ہو جائیں اور واش روم جا کر منہ پر پانی ڈالیں تا کہ نیند بھاگ جائے۔ تھوڑے دنوں تک ان چیزوں کو معمول بنائیں۔ انشاء للہ جلد ہی فجر میں اٹھنے کی عادت پیدا ہو جائے گی۔

پروفیسر محمد عقیل

اندر کے جانور

’’کیا تم نے جانور کو دیکھا ہے‘‘؟ بابا نے اپنے حامد سے سوال کیا۔

’’جی ، جی ، کئی مرتبہ دیکھا ہے، لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟‘‘ حامد نے جواب دیا۔

’’اچھا! تم نے کبھی اپنے اندر کے جانور کو دیکھا ہے؟‘‘۔ بابا نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے ایک اور سوال کر دیا۔

’’یہ اندر کا جانور کیا ہوتا ہے مجھے علم نہیں۔‘‘ حامد نے حیرت سے جواب دیا۔

’’بیٹا! کیا ایسا نہیں ہوتا کہ بعض اوقات تم غصے سے چیختے ، حسد سے انگلیاں چباتے، نفس کی ناجائز خواہش پوری کرتے اور حرص و ہوس کا شکار ہوتے ہو؟‘‘

’’جی ہاں! ایسا تو اکثر ہوتا ہے۔‘‘ حامد نے کہا۔

’’یہی تو اندر کا جانور ہے جو ہم پر حاوی ہو جاتا ہے اور ہماری شخصیت جانور جیسی ہو جاتی ہے۔ بیٹا ، ہم سب کے اندر بے شمار جانور چھپے ہوئے ہیں، یہ جانور ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھے جا سکتے بس ان کے لئے ہمیں آنکھیں بند کر کے اندر جھانکنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اندر کیا کیا موجود ہے‘‘۔ بابا نے تفصیل سے بیان کیا۔

انسان کی اصل شخصیت کیا ہے؟ اس پر بلا مبالغہ لاکھوں صفحات تحریر ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی انسان کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ پایا۔ علم نفسیات کی تشریح علم کیمیا سے مختلف ہے تو روحانی علوم کے ماہرین مادی علوم کے پنڈتوں سے اختلاف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

جب ہم اس موضوع پر قرآن سے رجوع کرتے ہیں تو قرآن قطعیت کے ساتھ یہ بتاتا ہے کہ انسان کی اصل شخصیت کیا ہے؟ یہ شخصیت انسان کے ظاہر اور باطن کا مجموعہ ہے۔ انسان

کے ظاہر سے مراد چہرہ، ہاتھ پاؤں، رنگت، چال، ڈھال وغیرہ ہے۔ دوسری جانب باطن سے مراد انسان کی اچھی اور بری صفات ہیں۔

ہم جب اپنے آپ کو آئینہ میں دیکھتے ہیں تو چہرہ، ڈیل ڈول اور ظاہری جثہ سامنے آتا ہے۔ سطحی قسم کے لوگ اسے ہی انسان کی اصل شخصیت سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ہمارے اندر بھی ایک شخصیت موجود ہے جسے ہم نفس، خودی، اپنا آپ، میں، روح، دل یا کسی بھی نام سے منسوب کر سکتے ہیں۔ اس باطن کی شخصیت کا بھی ایک چہرہ ہوتا ہے، اس کے ہاتھ پاؤں، جسم، بو، زبان سب ہوتے ہیں۔ اس باطنی جسم پر لگی ہوئی غلاظت اتنی ہی بری ہوتی ہے جتنی ظاہری بدن پر لگی ہوئی کیچڑ۔ اس باطنی جسم کی غلاظتیں تکبر، نفس پرستی، تعصب، منفی سوچ، حسد، کینہ، انتقامی نفسیات اور خدا کی نافرمانی ہیں۔ دوسری جانب اس وجود کا پاکیزہ لباس عجز وانکساری، نفس پر کنٹرول، مثبت سوچ، درگذر کی نفسیات اور خدا کی فرماں برداری ہے۔

اگر کوئی شخص گندگی میں رہنے کا عادی ہو جائے تو اسے اپنے ظاہری جسم کی گندگی کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ میل کچیل کو گوارا کر لیتا، بدبو کے ساتھ گذارا کرتا، دھول مٹی میں اٹھتا بیٹھا اور گندگی کو اپنا لیتا ہے۔ کچھ عرصے بعد وہ ان سب باتوں کا اتنا عادی ہو جاتا ہے کہ گندگی اور پاکیزگی میں تمیز ہی کھو بیٹھتا ہے۔

بالکل یہی معاملہ اس شخص کیساتھ بھی ہوتا ہے جو اپنے باطن کو گندگیوں سے صاف نہیں رکھ پاتا۔ جب اس کا باطنی وجود ان غلاظتوں کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر فحش مناظر دیکھنے کی گندگی محسوس نہیں ہوتی، پھر جھوٹ بولنے پر زبان لڑکھڑاتی نہیں، پھر عزت لوٹتے وقت ضمیر کی سرگوشی بھی نہیں ابھرتی، پھر خدا کی نافرمانی پر ہلکی سی ندامت بھی نہیں ہوتی۔ پھر انسان کے اندر کئی جانور پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کے وجود کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ یہ جانور غصہ، شہوت، نفس پرستی، حسد،

کینہ، انتقام، قانون شکنی، خودغرضی، انارکی اور بے ہنگم سوچوں کی شکل میں نمودار ہوتے اور آہستہ آہستہ انسان کو جانور بنا دیتے ہیں۔ ایسے انسان کا ظاہری وجود تو صاف ستھرے انسان کی شکل کا ہوتا ہے لیکن اس کا باطن جانوروں کی خصلتوں کی بنا پر پاکیزگی کھو چکا ہوتا ہے۔

اس دنیا میں کسی شرفا کی تقریب میں ایسے شخص کا داخلہ ممنوع ہے جس کا منہ کیچڑ میں لتھڑا ہو، جس کے بال دھول مٹی سے اٹے ہوئے ہوں، جس کے جسم پر میل کچیل کی تہیں چڑھی ہوں۔ بالکل ایسے ہی آخرت میں خدا کی جنت میں ان لوگوں کا داخلہ ممنوع ہے جن کا باطنی وجود ناپاکی و غلاظت سے لتھڑا ہوا ہو۔

فرح رضوان

خواتین کے قضا روزے

یہ کراچی میں پڑوسن تھیں. جب بھی ہم، ملتان یا پشاور سے وہاں چھٹیاں گزارنے جاتے ضرور ملنے آتیں، لیکن مہمانداری کرنا چاہو تو پتہ چلتا کہ روزے سے ہیں، جب مجھے اپنے دور جاہلیت میں یہ تک پتہ نہیں تھا کہ باعمل مسلمان سنت کے طور پر پیر اور جمعرات کو نفلی روزے رکھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ معاف فرمائے بے ضمیری کا وہ عالم کہ کسی کو نیکی کرتا دیکھ کر یہ حسرت بھی نہ جاگتی کہ ابھی نہ سہی کبھی موقع ملنے پر ہم بھی ایسا کریں گے، بس یہی خیال آتا کہ جو محنت کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے، اور بوڑھے لوگوں کو تو جلد ہی اللہ کے پاس جانا ہے کچھ تو لے کر جائیں گے ناں! تب پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ سب باتیں شیطان کا ہتھکنڈہ ہوتی ہیں، انسان کو نیکی سے دور بہت دور رکھنے کے لیے۔

بہرحال دوسری خاتون سے کچھ عرصہ قبل ملاقات ہوئی، جب سردیوں کی چھٹیوں میں سب دوستوں کا لنچ کا پروگرام بن گیا تو پتہ چلا کہ وہ روزے سے ہیں، چالیس سے کم عمر میں یہ ''حرکت'' انتہائی حیرت انگیز اور توجہ طلب تھی ذرا کریدنے پر پتہ چلا کہ موصوفہ کچھ سال سے سردیوں کا موسم آتے ہی قضا روزے رکھنے شروع کر دیتی ہیں اور اس وقت تک ماشاللہ اپنے تین بچوں کی ولادت کے دوران قضا کیئے گئے روزے رکھنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

کیونکہ رشک جائز ہے اس لیے اس پر ہم سب کو بڑا رشک اور خود پر ملال ہوا کہ ہر بار ہم لوگ پلاننگ ہی کرتے رہ جاتے ہیں، لیکن گرمیوں میں ٹھنڈا پانی اور سردیوں میں گرم گرم کافی، چائے، اور سوپ کی طلب، عادت یا چسکا آڑے آتا رہتا ہے اور یوں یہ تحفے میں ملے مختصر ترین دورانیے کے دن پر لگا کر اڑ جاتے ہیں...... لیکن! کسی پر رشک اور خود پر ملامت یا پھر صرف

پلاننگ کرنے سے کچھ ہو پاتا ہے بھلا؟ جب تک کہ نفس کے گھوڑے کو لگام ڈال کے اس بات پر عمل نہ شروع کر دیا جائے۔

پھر ایک بہت ہی پرانی دوست سے آمنا سامنا ہو گیا، یہ کافی عرصے پہلے سکھر رہا کرتی تھی یہ ایک دوست کی دوست ہے...... بات چیت کے دوران یہ موضوع بھی نکل آیا اور پتہ چلا کہ ان محترمہ نے بھی بچوں کی ولادت اور رضاعت کے دوران قضا ہو جانے والے روزوں کا شمار کیا ہوا ہے جو کل ملا کر سال سے کچھ ہی کم ہے لیکن اللہ کی رحمت سے اس نے اپنا سفر شروع کیا ہوا ہے

کچھ تو بہت پرانے تعلق کی وجہ سے میں اس کو جانتی تھی کہ یہ پہلے ایسی نہیں تھی جیسی اب نظر آ رہی تھی، دوسرا چالیس کے شروعاتی دور میں یہ دوڑ، آخر وجہ کیا بنی؟ اور فیملی کے ساتھ رہتے ہوئے یہ سب ممکن کیسے ہوا؟...... اسے بہت دیر تک دلائل دینے کے بعد کہ میرے جیسے انگنت لوگ بہت سی نیکیوں سے صرف اس لیے محروم رہتے ہیں کہ ہم جس ماحول میں رہتے ہیں، ان میں کتابی باتوں پر عمل بالکل ناممکن سا لگتا ہے، لیکن جب ہمارے ہی ٹائپ کے لوگ عمل کرتے ہیں تو، ہمت اور تقویت ملتی ہے کہ اگر فلاں کر سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں؟ ہو سکتا ہے کہ تم اپنے اس سفر کے بارے میں شیئر کرو اور کوئی حوصلہ پا کر اس پر عمل کرنے لگے تو تمہیں اس کا بھی اجر مل جائے...... یوں کچھ شرائط کے بعد اس نے بتانا شروع کیا:

''کئی سال سے دماغ میں تھا کہ قضا روزے رکھنے ہیں لیکن ایک تو میں کھانے پینے کی خوب شوقین تھی اوپر سے روزوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ میں سوچ کر رہ جاتی کہ پوری کیسے کر پاؤں گی۔ پھر میں نے سوچا کہ نیت تو کر ہی لینی چاہیے لیکن عمل کی تب بھی ہمت نہ ہوئی......سوچا فدیہ دے دوں تو پتہ چلا کہ جس کی صحت روزہ رکھنے کے قابل ہو اسے روزے رکھ کر ہی یہ قرض چکانا ہوگا...... چالاکی یہ سوجھی (نعوذ باللہ) کہ بڑھاپے کا انتظار کروں اور جب کمزور ہو جاؤں تو فدیہ

دے دوں ۔لیکن پھر بہت قریب کی دوستوں میں سے تین کو بریسٹ کینسر ہو گیا اور ایک کے گردوں میں انفیکشن ،تو یہ میرے لیے کئی طرح سے جھنجھوڑ کر رکھ دینے والی باتیں ثابت ہوئیں، پہلی تو یہی کہ موت کا کچھ پتہ نہیں کب آ جائے، دوسرا صحت ہزار نعمت ہے ،جن کو گردے کا انفیکشن ہوا تھا، وہ نہ تو زیادہ کھا سکتی نہ پی سکتی ،لیکن ساتھ ہی وقفے وقفے سے ذرا ذرا سا پینا یا کھانا بھی پڑتا تو یوں وہ بھوک پیاس، پرہیز بھی سہتی پر روزہ بھی نہ رکھ پاتی۔

جن کو پر یسٹ کینسر ہوا تھا ان میں سے دو نے آپریشن اور کیموتھراپی کے بعد پیدا ہو جانے والے عیب کو چھپانے کے لیے سکارف پہننا شروع کر دیا تھا۔ یہ میرے لیے بہت سوچنے کا مقام تھا کہ اب میں صحت کے شکر کے طور پر ہی سدھر جاؤں اور خدانخواستہ کل کو اپنے عیب کو مجبوری میں چھپانے کے بجائے ،آج اپنے رب کی رضا کی خاطر اپنی زینت اور ستر کو چھپاؤں...... کام تو یہ بھی کوئی آسان نہ تھا لیکن میرے جیسی خوش خوراک اور چٹوری بندی کے لیے بغیر رمضان کے روزوں کی نسبت بہتر ہی تھا......وقت گزرتا رہا سردیاں آتیں تو کبھی شادیوں کے فنکشنز ،کبھی سب گھر والوں کے موسمی فلو،کبھی آؤٹنگ اور مہمانداری وغیرہ میں گذر جاتیں اور یوں کئی قیمتی سال گذر گئے...... بچے بڑے اور ہم میاں بیوی ادھیڑ عمری کی دہلیز پر آ گئے۔

پھر اچانک سے مختلف کاموں میں رکاوٹیں شروع ہو گئیں، کوئی کہتا جادو ہے کوئی نظر کوئی اثر لیکن میرے دل میں میرا خود سے کیا ہوا وعدہ -میرا قرض کھٹکتا رہتا کہ یہی اصل مرض ہے ......اور یوں جب کوئی چارہ نہ رہا تو، اللہ کا نام لے کر روزے رکھنے شروع کر دیے۔یقین کرو کہ پہلے ماہ کے مکمل ہونے میں دو دن تھے کہ اس مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے قبل تو کیا کام ختم ہونے سے بھی پہلے،اس دنیا کی اجرت تو مل گئی۔ بالکل ناممکن کام ایسے ہوا کہ کوئی سوچ نہیں سکتا۔

میرے رب نے میرا بہت حوصلہ بڑھایا...... لیکن کسی نہ کسی سبب میں پھر رک گئی ہمت ہار گئی اور تب بہت سے کام بھی ایسے رکے کہ، اس بار تو موسم بھی نہ دیکھا اور توبہ کر کے دوبارہ شروع ہو گئی......

جب آپ فیملی کے بیچ ہو، ہر کوئی اپنی مرضی کی چیزیں کھا پی رہا ہو تو ہر روز دل کرتا ہے کہ ہم بھی ان میں شامل ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑی مدد فرمائی کہ مولانا طارق جمیل کی یہ بات میرے کانوں سے گزرتی دل پر اثر کر گئی کہ جب روزہ لگا کرے تو قرآن پڑھا کرو، بھوک لگے یا پیاس لگے قرآن پڑھا کرو، یوں میرے دو مسلے حل ہو گئے پہلا بھوک پیاس پر باآسانی قابو دوسرا باقائدگی سے قرآن پڑھنا...... ابھی تو دوسرے ماہ کے ہی روزے چل رہے تھے اور یہ ایک محنت طلب کام لگ رہا تھا، ہمت ٹوٹ رہی تھی کہ گھر میں کوئی مرمت کا کام نکل آیا مستری آیا تو میرے میاں سے پڑوس کے صاحب کی نان سٹاپ برائیاں شروع کر دیں...... آوازیں مجھ تک بھی آ رہی تھیں تو مجھے پہلے تو غصہ آیا کہ بس اب چپ بھی کر جائے لیکن پھر ترس آیا کہ کاش کوئی اس کو بتائے کہ اس کی نیکیاں ان صاحب کو جا رہی ہیں، کبھی سردی کے وضو کی کبھی گرمیوں کے روزے کی ! اور بس یہ وہ لمحہ تھا کہ میں اندر سے دہل گئی کہ میں جو یہ روزے رکھ رہی ہوں یہ کس کس کو دے سکتی ہوں؟ اپنے چہیتے والدین کو؟ اپنی لاڈلی اولادوں کو؟ نہیں کسی صورت نہیں......تو پھر ساس نند دیور بھاوج پڑوسن، بیگانی شادیوں میں شامل انجان لوگوں کو جن پر کھل کر تبصرہ کیا جاتا ہے ان کو؟...... اف میرے خدا یہ روزوں کی برکت ہی ہے جو مجھے اب یہ بات سمجھ میں آ گئی۔

غیبت ترک کرنے کا تہیہ کرنے کے بعد حیرت انگیز طور پر میرے غصے میں کمی آنے لگی، کیوں کہ جب آپ کو غیبت نہیں کرنی ہوتی تب تین باتیں تو لازمی ہوتی ہیں ایک یہ کہ آپ

عیب جوئی سے بچنے لگتے ہو، جب باتوں کو پکڑتے نہیں تو ان پر کڑھتے بھی نہیں، تیسرا اللہ تعالیٰ سے دکھ سکھ بیان کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے اور جس کی بات بری لگے اسی کو بتا دینے کا ہنر آ جاتا ہے، تو کئی مسائل حل ہونے شروع ہو جاتے ہیں،...... بہر حال یہ تیس روزے کوئی ڈھائی ماہ میں مکمل ہوئے تو یقین مانو کہ اس بار بھی میرے رکے ہوئے کام معجزانہ طور پر ہو گئے۔ الحمدللہ اور پھر میں نے خود سے وعدہ کیا کہ اب انشااللہ جمی رہوں گی......

اور یوں آگے بڑھتے ساتھ مجھے ایک اور بات سمجھ آئی کہ کئی سال گنوا دینے کے پیچھے ایک وجہ درست علم کا نہ ہونا، اور ناقص علم کی بہتات ہونا بھی تھا...... آباواجداد سے سنا کرتے، اخباروں کتابوں میں پڑھتے،، ریڈیو ٹی وی پر سنتے کہ فلاں فلاں رات کو جاگو اگلے دن روزہ رکھو تو ہزار روزوں کے برابر ثواب ملے گا اور میرے جیسے کتنے نادان جو کتابوں اور مستند کتابوں میں فرق نہیں جانتے، مستند عالم اور کلچرل عالم میں فرق نہیں جانتے یہی سوچ کر یہ روزے رکھ لیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم جیسوں کی آسانی کے لیے ہی یہ سہولت رکھی ہے (استغفراللہ)، تب خبر ہی نہ تھی کہ یہ تو نیکی کی آڑ میں شیطان کا کھلا دھوکہ ہے شکر ہے اللہ کا کہ میں نے تعصب کی عینک پہن کر یہ معاملہ نہیں دیکھا ورنہ یہ ممکن تھا کہ کسی فرقے کا نام دیکر اس بات کو سرے سے رد کر دیتی، برا مان کر بیٹھ جاتی۔ ایک غلطی میری یہ بھی تھی کہ بجائے، باقائدہ قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کے، نیلی کتاب میں سے فلاں پریشانی دور کرنے دو گھنٹے کا وظیفہ، سبز کتاب میں سے یہ والی سورہ تین بار گیارہ بار میں ہی الجھی رہی بنا غور کیے کہ یہ سب مستند احادیث سے ثابت ہیں بھی یا نہیں؟...... بہر حال اللہ تعالیٰ کے بے حد کرم کے ساتھ بات آگے بڑھنے لگی، اور ایک بات مجھ پر واضح ہوئی کہ سردیوں میں تو روزہ مختصر ہی نہیں ہوتا بلکہ صرف دو گھنٹے کا ہوتا ہے ایک گھنٹہ پہلے صبح سب کے ناشتے سے پہلے ناشتہ کر لیا تو پھر کوئی کچھ بھی بنائے یا کھائے فرق نہیں

پڑتا، اور دوپہر کا کھانا ابھی ہم ٹیبل پر لگا ہی رہے ہوتے کہ عصر کی اذانیں ہونے لگتیں، نماز پڑھ کر سب کو کھانا، چائے دینے میں مغرب ہو جاتی تو وقت تو ہو ہی جاتا، ، کچھ اور روزوں میں اضافہ ہوا تو میں نے غور کیا کہ میرے ڈاکٹرز اور لیب وغیرہ کے وزٹ میں نمایاں کمی آ گئی ہے، یعنی ہمیشہ سے جو سنتے آئے تھے کہ کم کھانا، بھوک لگنے پر کھانا، ہر ماہ کے کم از کم تین روزے رکھنا صحت کا ضامن ہے وہ سمجھ آ رہی تھی، رفتہ رفتہ میری بینائی بہتر ہونے لگی جو جگر کی خرابی کے سبب ہو رہی تھی جگر کو آرام ملنے لگا تو اور بہت سے مسائل کم ہونا شروع ہو گئے جن میں سر فہرست سر کا درد تھا۔

میں اکثر سوچتی ہوں کہ الحمدللہ، ذرا سی محنت پر، دنیا میں میرے رب نے کامیابی اور راحت کے انگنت دروازے مجھ پر کھول دیے ہیں، اب دعا ہے کہ وہ میرے ان ٹوٹے پھوٹے آدھے ادھورے کاموں کو اپنی رحمت سے قبول فرمالے اور قیامت کے روز میرے لیے باب ریان سے جنت میں داخلے کا پروانہ عطا فرمادے۔ (آمین)

چوتھا اصول: علم وعبادت کی تنظیم واہتمام

ایک مسلمان گھرانے میں علم وعبادت کی تنظیم واہتمام سے بڑھ کر اہم کوئی دوسرا معاملہ نہیں ہے۔ دین کا ضروری علم حاصل کرنا فرض ہے۔ جبکہ عبادات کے باب میں ایک مسلمان سے مطالبہ ہے کہ وہ فرائض، واجبات، سنن اور آداب کا خود بھی اہتمام کرے اور اپنے گھر والوں کو بھی مطلوبہ وممکنہ حد تک اس پر کاربند بنائے، گویا اس حدیث کا مصداق بن جائے۔ حدیث قدسی ہے:

''جو مجھے یہاں یاد رکھے گا میں اس کا ذکر اس سے زیادہ بہتر جگہ پہ کروں گا۔'' (متفق علیہ)

گھر کے افراد کی تعلیم کے لیے علمی اور دینی نشستیں اور پروگرام کیے جائیں گھر میں خواتین اور مردوں کے دروس کا اہتمام کیا جائے، جس میں گھر کے تمام افراد مرد وخواتین اور بچے شریک ہوں، اسی طرح اسلامی تہذیب وثقافت کا بھی خیال رکھا جائے، دور حاضر کی تہذیب پر بھی بات کی جائے، گھر میں ایک کتب خانہ موجود ہو، مطالعہ کا ماحول مہیا کیا جائے، تمام عبادات کو سیکھنے سکھانے اور ان کو صحیح طریقے سے ادا کرنے پر بھرپور توجہ ہونا چاہیے۔ اگر مسجد میں جماعت کسی وجہ سے رہ گئی ہو تو گھر کے افراد کے ساتھ مل کر نماز باجماعت ادا کی جائے۔ گھر میں درود شریف کا اہتمام کیا جائے، جمعہ کے دن غسل کا اہتمام کیا جائے ممکن ہو تو پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا جائے۔ اسی طرح یوم عرفہ، یوم عاشور کا روزہ رکھا جائے۔ عبادات کو علم کے ساتھ مربوط کیا جائے تاکہ ضروری مسائل واحکام سے مکمل طور پر آگاہی حاصل ہو۔

[نوٹ یہ سلسلہ مضامین سعید حویٰ کی تصنیف ''البیت المسلم'' کی تلخیص وترجمہ پر مشتمل ہے۔]

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (17)

دلائل آخرت: رسولوں کی اقوام کی سزا و جزا

آخرت کی ایک ناقابل انکار دلیل

قرآن مجید میں بیان کیے جانے والے آخرت کے جن دلائل کا ہم نے مطالعہ کیا ہے وہ آخری درجہ میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس دنیا کے بعد ایک نئی دنیا قائم ہونا اور وہاں پر تمام انسانوں کی سزا و جزا کا واقع ہونا ایک لازمی امر ہے۔ مشاہدہ ان کی تائید، عقل ان کی تصویب اور فطرت ان کی تصدیق کرتی ہے۔ تاہم اس حقیقت کے باوجود بہرحال یہ عقل و فطرت ہی کے دلائل ہیں۔ عقلی بات کا ایک نامعقول ہی سہی، مگر جواب بہرحال دیا جا سکتا ہے۔ فطرت کی آواز بہت سچی سہی، مگر اس کی پکار کو سنی ان سنی کرنا غفلت کے مریضوں کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس دنیا میں کوئی شخص اتنا غبی، احمق اور نادان ہو کہ عقل و فطرت کی کسی بھی بات کو سمجھنا اس کے لیے ممکن نہ ہو۔ جبکہ آخرت کی جوابدہی کا یہ معاملہ ہر انسان کے ساتھ پیش آنا ہے۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں قرآن مجید آخرت کی سزا و جزا کو ثابت کرنے کے لیے ایک ایسی دلیل دیتا ہے جس کا انکار کرنا کسی طور سے ممکن نہیں ہے۔ یہ دلیل کچھ خاص اقوام کے معاملے اسی دنیا میں برپا کی جانے والے وہ سزا و جزا ہے جس کی حیثیت ایک معلوم و معروف واقعے کی ہے اور جس کا انکار کوئی نہیں کر سکتا۔ اور جس کے بعد آخری بات یہی رہ جاتی ہے کہ پھر انکار کرنے والے کے ساتھ ہی براہ راست سزا و جزا کا معاملہ شروع کر دیا جائے۔ تاہم یہ اس دنیا

میں اللہ کی اسکیم نہیں کہ وہ کسی فرد کی مہلت عمل ختم ہونے سے پہلے اس کے ساتھ سزا و جزا کا معاملہ کر دے۔

قرآن مجید پر تدبر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا ہی میں سزا و جزا کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی اقوام کا انتخاب کیا ہے۔ پہلی اقوام وہ ہیں جن کے اندر اللہ تعالیٰ براہ راست کسی رسول کی بعثت فرما دیں اور دوسری اولاد ابراہیم جو پچھلے چار ہزار برس سے دنیا میں آسمانی سزا و جزا کا زندہ ثبوت بن کر موجود ہیں۔ پہلے ہم رسولوں کی اقوام پر قدرے تفصیل سے بات کریں گے۔ تاہم اس کے لیے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کا جو اہتمام کر رکھا ہے اس کو تفصیل سے سمجھنا ہوگا۔

رسولوں کی اقوام کی سزا و جزا

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنی ہدایت کو انسانوں تک پہنچانے کے لیے متعدد انتظامات کیے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم اور واضح انتظام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں ہی میں سے کچھ لوگوں کو چن لیتے ہیں اور ان کو منصب نبوت سے سرفراز فرما کر ان پر اپنی وحی نازل کرتے ہیں۔ یہ حضرات انبیا اللہ تعالیٰ کا پیغام بے کم و کاست انسانیت تک پہنچاتے ہیں۔ اللہ کو کیا چیز مطلوب ہے۔ اسے کیا ناپسند ہے۔ اپنے بندوں کو وہ کیسا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی عبادت کا طریقہ کیا ہے۔ دنیا میں کیا چیزیں غلط ہیں۔ ہدایت کیا ہے اور گمراہی کیا ہے۔ درست راستہ کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ یہ سب حضرات انبیا واضح کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ اگر لوگوں نے اللہ کی بات نہ مانی تو روز قیامت وہ جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو اس کے عذاب کی جگہ یعنی جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ البتہ اللہ کی اطاعت اور نیکی کا راستہ اختیار کرنے والے جنت کی ابدی بستی میں بسائے جائیں گے۔

انبیا یہ دعوت دیتے ہیں اور ساری زندگی دیتے رہتے ہیں۔ جو لوگ ان کی بات مانتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ آخرت کی فلاح کے حقدار ٹھہرتے ہیں اور ان کا کفر کرنے والے اہل جہنم میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس دنیا میں انبیا کی تکذیب کردی جائے یا تصدیق۔ اس کا بالعموم کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ تاہم انبیا میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی قوم کو صرف یہ دعوت ہی نہیں دیتے بلکہ اس مشن کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں کہ ان کی دعوت کی انتہا پر قوم کا فیصلہ اِسی دنیا میں کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ صاف صاف بتاتے ہیں کہ ان کی بات نہ مانی گئی تو قوم کو دنیا ہی میں صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ ان کے کفر کی پاداش میں اللہ کا عذاب آئے گا اور ایک شخص کو بھی نہیں چھوڑا جائے گا سوائے ان کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے۔ یہی بچ جانے والے پھر زمین کے حکمران بنا دیے جائیں گے۔

یہ حضرات اپنی قوم کو نہ صرف دعوت حق دیتے ہیں بلکہ ان کے سامنے ہر طرح کے دلائل اور معجزات بھی رکھتے ہیں۔ وہ ان کے ہر سوال، اعتراض، شبہے اور الجھن کا حل پیش کرتے ہیں۔ اپنی دعوت کو ہر اس پہلو سے پیش کرتے ہیں جس سے بات سمجھی جا سکے۔ قوم مطالبہ کر دے تو بارہا اس کی مرضی کی نشانیاں دکھا کر بھی اس کو قائل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ کام دو چار دن نہیں بلکہ تمام تر مخالفت کے باوجود برسہا برس، عشروں بلکہ حضرت نوح کے معاملے میں صدیوں تک ہوتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے علم کی بنیاد پر یہ فیصلہ سنا دیتے ہیں کہ اب ہر شخص کو بات سمجھ میں آ گئی ہے۔ لیکن یہ لوگ نہ صرف جان بوجھ کر سرکشی اور کفر پر اڑے ہوئے ہیں بلکہ پیغمبروں کی جان کے دشمن ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس وقت اللہ کا فیصلہ آتا ہے اور ہوا، پانی، بادل، زمین، پہاڑ غرض فطرت کی کسی بھی طاقت کو استعمال کر کے اس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ تاہم اگر رسول کے اپنے پیروکار ہی بڑی تعداد میں جمع

ہو جائیں تو پھر یہ عذاب فطرت کے بجائے انسانوں کے ہاتھوں سے آتا ہے اور اہل ایمان کفار کو اپنی تلواروں سے قتل کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اس زمین میں اقتدار کے حقدار ہو جاتے ہیں۔

ایک دلیل دو پہلو

قرآن مجید میں حضرات نوح، ہود، صالح، ابراہیم، شعیب، موسیٰ اور بعض دیگر رسولوں کے قصے اسی پس منظر میں کفار مکہ کو سنائے گئے ہیں کہ جس طرح یہ لوگ اپنے کفر کی پاداش میں ہلاک ہوئے ہیں تم بھی اپنے کفر کی وجہ سے مارے جاؤ گے۔ تیرہ برس تک کفار مکہ کو یہ قصے سنائے گئے، مگر وہ اپنی سرکشی پر قائم رہے۔ تاہم مکہ میں کافی لوگ ایمان بھی لے آئے تھے اور پھر اہل یثرب کے قبول اسلام کے بعد اہل ایمان کو دارالہجرت بھی میسر آ گیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مدینہ ہجرت کی۔ اس کے بعد جنگ بدر میں اہل مکہ کی اس ساری منکر قیادت کو اہل ایمان کی تلواروں کے ہاتھوں ختم کر دیا گیا جس نے اس دعوت کا انکار کیا تھا۔ جبکہ چند ہی برس میں تمام عرب میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔

رسولوں کے ذریعے سے برپا ہونے والی اس سزا جزا کا ایک پہلو تو یہی ہے کہ اس کے ذریعے سے ان کا اللہ کا بھیجا ہوا ہونا یا رسول (لفظ رسول کا لغوی مطلب بھیجا ہوا ہونا ہی ہے) ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ان انبیا کو رسول کہا جاتا ہے یعنی ان کا اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا ہونا ایک مسلمہ حقیقت بن کر سامنے آ جاتا ہے۔ اس پر مزید گفتگو ہم نبوت و رسالت کے دلائل کے ضمن میں کریں گے۔ تاہم اس کا دوسرا پہلو جو یہاں نمایاں کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اس سزا و جزا کے بعد یہ آخری طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ آخرت کی جس سزا و جزا کی خبر یہ رسول دے رہے ہیں وہ بھی ایک سچائی ہے۔ اگر ان کی بات دنیا میں درست ثابت ہوئی ہے تو کیسے ممکن ہے

کہ آخرت میں غلط ثابت ہو جائے۔ چنانچہ ان کی بات درست ثابت ہو گی اور یہی سزا و جزا زیادہ بڑے پیمانے پر آخرت میں برپا کی جائے گی۔ یوں رسولوں کی اقوام کے ساتھ پیش آنے والی یہ سزا و جزا آخرت کا ایک ثبوت ہے جس کا انکار کرنا ممکن نہیں۔ جس طرح ایک تجربہ گاہ میں یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مل کر بنا ہے او اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اسی طرح یہ دنیوی سزا و جزا یا دینونت (لفظی مطلب بدلہ) وہ حتمی ثبوت ہے جو رسولوں کی اقوام کے ذریعے سے فراہم کیا جا رہا ہے اور جس کے بعد آخرت کی سزا و جزا کا انکار ممکن نہیں۔

آخری سزا و جزا تاریخ کی روشنی میں

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ قرآن مجید میں جن رسولوں کا ذکر آیا ہے ان کی اقوام کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ ان اقوام کی یہ داستانیں نہ تاریخ کے صفحات پر محفوظ رہیں ہیں اور نہ آثار قدیمہ کے دستیاب ورثے ہی اس کی کوئی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ یہ داستانیں سابقہ انبیا کی کتب میں مرقوم تھیں یا پھر اقوام اور افراد ان کو اساطیر اور قدیم داستانوں کے طور پر بیان کیا کرتے تھے۔ ان کو جس پہلو سے قرآن مجید نے بیان کیا، اس کو نہ پیغمبروں کی امتوں نے محفوظ کیا نہ الہامی صحیفوں میں یہ اس طرح محفوظ رہ سکی۔ تاہم قرآن مجید اور آخری نبی و رسول اس معاملے میں ایک استثنا ہیں۔ قرآن مجید نہ صرف سابقہ رسل کی داستانیں بیان کرتا ہے بلکہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے لیے اس قانون کی بنیاد پر صاف صاف پیش گوئیاں بھی کرتا ہے۔ وہ کھل کر یہ بتاتا ہے کہ رسول کا انکار کرنے والے اس زمین سے نکال دیے جائیں گے۔ یہ لوگ ہلاک کر دیے جائیں گے۔ وہ وقت بھی بتایا جاتا ہے جب یہ لوگ ہلاک کیے جائیں گے۔ اہل ایمان کے غلبہ کی پیش گوئی بھی جاتی ہے۔ عرب کی سرزمین میں پیغمبر کو یہ غلبہ کیسے حاصل ہو گا اس کا ایک ایک مرحلہ بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ تمام یہ پیش گوئیاں نہ صرف بعینہٖ پوری ہوئیں

بلکہ معاصر تاریخ نے ان تمام واقعات کو اس طرح ریکارڈ کر لیا کہ کوئی ان واقعات کا انکار نہیں کر سکتا۔

چنانچہ قرآن مجید میں محفوظ یہ داستان اور اس کی تصدیق میں کھڑی تاریخ اب قیامت تک آنے والے تمام انسانوں پر یہ حجت تمام کرتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف اللہ کے رسول تھے بلکہ جس سزا و جزا کی آپ خبر دے رہے ہیں وہ برحق ہے۔ یہ آخرت کی سچائی کا وہ ثبوت ہے جس کا انکار تا قیامت کوئی نہیں کر سکتا۔

قرآنی بیانات

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بہت تفصیل کے ساتھ رسولوں اور ان کی اقوام کے حالات اور پھر ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر آنے والے عذاب کی تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً سورہ اعراف، سورہ ہود اور سورہ شعراء وغیرہ میں ایک ایک کر کے تمام اہم رسولوں کے حالات اور ان کی اقوام پر آنے والے عذاب کی تفصیل کی گئی ہے۔ جبکہ انفرادی طور پر رسولوں کے حالات متعدد جگہ اسی پس منظر میں بیان کیے گئے ہیں۔ ہم اختصار کے پیش نظر قرآن مجید کی ایک بہت مختصر سورت کو بیان کر رہے ہیں جس میں اجمالاً تمام اہم رسولوں کی اقوام اور ان کی سزا کا ذکر ایک ہی جگہ کر دیا گیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس سورت کے اختتام پر آخری نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کو بھی صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ ان کے کفر کی پاداش میں یہی انجام ان کا مستحق ہے۔ یہ سورہ قمر ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

عذاب کی گھڑی سر پر آ گئی اور چاند شق ہو گیا، اور یہ کوئی سی بھی نشانی دیکھیں گے تو اس سے اعراض ہی کریں گے اور کہیں گے کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ اور انھوں نے جھٹلا دیا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ اور ان کو ماضی کی سرگزشتیں پہنچ چکی ہیں جن میں کافی سامانِ عبرت موجود ہے، نہایت دل نشین حکمت۔ لیکن

تنبیہات کیا کام دے رہی ہیں! تو ان سے اعراض کرو اور اس دن کا انتظار کرو جس دن پکارنے والا ان کو ایک نہایت ہی نامطلوب چیز کی طرف پکارے گا۔ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی اور یہ نکلیں گے قبروں سے جس طرح منتشر ٹڈیاں نکلتی ہیں، بھاگتے ہوئے پکارنے والے کی طرف ۔اس وقت کافر کہیں گے، یہ تو بڑا کٹھن دن آ گیا!

ان سے پہلے قوم نوح نے بھی جھٹلایا۔انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کر دی اور کہا کہ یہ تو خبطی ہے اور وہ جھڑک دیا گیا تو اس نے اپنے رب سے فریاد کی کہ میں مغلوب ہوں، اب تو ان سے انتقام لے۔ پس ہم نے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش سے کھول دیے اور زمین کو چشمے ہی چشمے کر دیا۔ پس پانی جا ٹکا اس نشان پر جو ٹھہرا لیا گیا تھا اور ہم نے اس کو ایک تختوں اور میخوں والی پر اٹھا لیا جو چلتی رہی ہماری حفاظت میں ۔ یہ ہم نے بدلہ لینے کے لیے کیا اس کا جس کی ناقدری کی گئی۔اور ہم نے اس سرگزشت کو ایک داستانِ عبرت بنا کر چھوڑا (عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے) تو ہے کوئی عبرت حاصل کرنے والا! دیکھ لو کس طرح سچا ثابت ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا! اور ہم نے قرآن کو تذکیر کے لیے نہایت موزوں بنایا ہے تو ہے کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا!

عاد نے بھی تکذیب کی تو دیکھو کس طرح واقع ہوا میرا عذاب اور میرا ڈراوا! ہم نے ان پر مسلط کر دی بادِ تند ایک مسلسل نحوست کے وقت میں جو لوگوں کو اکھاڑ پھینکتی گویا وہ اکھڑے ہوئے کھجوروں کے تنے ہوں۔تو دیکھو، میرا عذاب اور میرا ڈراوا کس طرح پیش آ کے رہا! اور ہم نے قرآن کو تذکیر کے لیے نہایت سازگار بنایا ہے تو ہے کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا!

ثمود نے بھی انذار کی تکذیب کی۔انہوں نے کہا، کیا ہم اپنے ہی اندر کے ایک بشر کی پیروی کریں گے! اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم کھلی گمراہی اور جہنم میں پڑے! کیا ہمارے اندر سے اسی پر یاددہانی نازل کی گئی، بلکہ وہ ایک لپاٹیا اور شیخی باز ہے! وہ کل کو جان لیں گے کہ لپاٹیا اور شیخی باز کون ہے! ہم ناقہ کو بھیجنے والے ہیں ان کے لیے آزمائش بنا کر تو ان پر نگاہ رکھ اور صبر کر۔اور ان کو آگاہ کر دے کہ اب پانی ان کے درمیان تقسیم ہے۔ باری باری پر حاضر ہونا ہے۔تو انہوں نے اپنے سردار سے فریاد کی پس وہ بڑھا اور اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔تو دیکھو، میرا عذاب اور میرا ڈراوا کس طرح واقع ہو کر رہا! ہم نے ان پر ایک ہی ڈانٹ بھیجی تو وہ باڑھ

والے کی باڑھ کے چورے کی طرح ہو کر رہ گئے۔ اور ہم نے قرآن کو یاددہانی کے لیے نہایت موزوں بنایا ہے تو ہے کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا!

قومِ لوط نے بھی تنبیہات کو جھٹلایا تو ہم نے ان پر سنگ ریزے برسانے والی ہوا مسلط کر دی۔ صرف آلِ لوط اس سے بچے۔ ہم نے ان کو نجات دی سحر کے وقت۔ خاص اپنے فضل سے۔ ایسا ہی صلہ ہم دیا کرتے ہیں ان کو جو شکر گزار رہتے ہیں۔ اور اس نے ان کو ہماری پکڑ سے آگاہ کیا لیکن وہ تنبیہات میں مِین میکھ نکالتے ہی رہے۔ اور انہوں نے اس کو اس کے مہمانوں کے بارے میں پھسلایا تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں تو چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا! اور ان پر آ دھمکا سویرے ایک ٹک جانے والا عذاب۔ تو چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا! اور ہم نے قرآن کو تذکیر کے لیے نہایت آراستہ کیا تو ہے کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا!

اور آلِ فرعون کے پاس بھی تنبیہات آئیں۔ انہوں نے ہماری ساری ہی نشانیوں کو جھٹلا دیا۔ تو ہم نے ان کو ایک غالب اور قوت والے کے پکڑنے کی طرح پکڑا۔

کیا تمہاری قوم کے کفار ان قوموں کے کفار سے کچھ بہتر ہیں یا تمہارے لیے آسمانی صحیفوں میں برأت نامہ لکھا ہوا ہے! کیا اِن کا زعم ہے کہ ہم مقابلہ کی قوت رکھنے والی جمعیت ہیں! یاد رکھیں کہ ان کی جمعیت عنقریب شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

بلکہ ان سے جو وعدہ ہے اس کے پورے ہونے کا اصلی وقت تو قیامت کا دن ہے اور قیامت کا دن بڑا ہی سخت اور بڑا ہی کڑوا ہو گا!

بے شک مجرمین گمراہی میں ہیں اور دوزخ میں پڑیں گے۔ اس دن کو یاد رکھیں جب یہ اپنے چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے! چکھو مزا دوزخ کی لپٹ کا!

ہم نے ہر چیز ایک اندازے کے ساتھ پیدا کی اور ہمارا حکم تو بس بیک دفعہ پلک جھپکنے کی طرح پورا ہو گا اور ہم نے تمہارے ہم مشربوں کو ہلاک کر چھوڑا تو ہے کوئی ان کے انجام سے عبرت حاصل کرنے والا!

اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے سب رجسٹروں میں درج ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات ان میں مرقوم ہے۔

بے شک خدا سے ڈرتے رہنے والے باغوں اور نہروں کے عیش میں ہوں گے۔ ایک پائدار مقامِ عزت میں، ایک مقتدر بادشاہ کے پاس!

(سورہ قمر)

کفار مکہ کی اس شکست و مغلوبیت اور مسلمانوں کی فتح کو ایک ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبے کی پیش گوئی بھی متعدد جگہوں پر کی گئی ہے۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں واضح کیا گیا کہ ان کفار نے آپ کو مکہ سے نکالنے کی کوشش کی تو وہ خود سرزمین میں رہ نہ پائیں گے:

اور بے شک یہ اس سرزمین سے تمھارے قدم اکھاڑ دینے کے درپے ہیں تاکہ یہ تم کو یہاں سے نکال چھوڑیں۔ اور اگر ایسا ہوا تو تمھارے بعد یہ بھی ٹکنے نہ پائیں گے۔ ہم نے تم سے پہلے اپنے جو رسول بھیجے ان کے باب میں ہماری سنت کو یاد رکھو اور تم ہماری سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ (بنی اسرائیل 76-77:17)

اللہ کی نصرت کے بعد فتح مکہ اور پورے عرب کے قبول اسلام کی پیش گوئی اس طرح کی گئی۔

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے، اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے معافی چاہو۔ بے شک وہ بڑا ہی معاف فرمانے والا ہے۔

(سورہ نصر)

صحابہ کرام کو ایمان کے صلے میں زمین پر غلبے و اقتدار کی بشارت اس طرح دی گئی۔

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے عملِ صالح کیے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک میں اقتدار بخشے گا جیسا کہ ان لوگوں کو اقتدار بخشا جو ان سے پہلے گزرے اور ان کے اس دین کو متمکن کرے گا جس کو ان کے لیے پسندیدہ ٹھہرایا اور ان کی اس خوف کی حالت کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کریں گے تو درحقیقت وہی لوگ نافرمان ہیں

(سورہ نور 55:24)

کفار کی شکست اور مسلمانوں کی جنگ بدر میں فتح کی پیش گوئی ایک دوسری پیش گوئی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ یہ پیش گوئی روم کی ایران کی فتح کے حوالے سے تھی اور اس وقت کی گئی جب اہل روم ایران سے مکمل طور پر شکست کھا گئے۔ قرآن مجید نے نہ صرف رومیوں کی فتح کی پیش گوئی کی بلکہ بتا دیا کہ یہی وہ وقت ہوگا جبکہ نصرت الٰہی سے مسلمان کفار پر اپنی فتح کی خوشیاں منا رہے ہوں گے۔ مسلمہ تاریخ کے مطابق یہ واقعات اسی طرح پیش آئے۔

یہ الٓـــــــمّ ہے۔ رومی پاس کے علاقے میں مغلوب ہوئے اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد عنقریب...... چند سالوں میں...... غالب آ جائیں گے۔ اللہ ہی کے حکم سے ہوا جو پہلے ہوا اور اللہ ہی کے حکم سے ہوگا جو بعد میں ہوگا اور اس وقت اہلِ ایمان مسرور ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور عزیز و رحیم تو وہی ہے۔ یہ اللہ کا حتمی وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (سورہ روم 30:6-1)

[جاری ہے]

دین کے بنیادی تقاضے

پروفیسر محمد عقیل

- ☆ دین کے احکامات پر مبنی ایک کتاب
- ☆ تزکیہ نفس کرنے والوں کے لئے مشعل راہ
- ☆ دین کے اوامر و نواہی کی سائنٹفک پریزنٹیشن
- ☆ ہر حکم کی مختصر تشریح
- ☆ ہر امر کا قرآن و حدیث سے حوالہ

قیمت: 150 روپے (ڈسکاؤنٹ کے بعد)

مبشر نذیر

ترکی کا سفر نامہ (20)

جماعت ۔۔۔۔جماعت۔۔۔۔

یہاں سے اٹھ کر ہم چھٹی جھیل کی جانب چلے جو سڑک کے دوسری جانب تھی۔ معلوم ہوا کہ یہاں بھی ایسا ہی کیمپنگ ایریا ہے۔ یہاں لکڑی کی بنی ہوئی چھوٹی سی مسجد تھی۔ ایک صاحب مسجد کی جانب جا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے، "جماعت۔۔۔۔جماعت۔۔۔۔" کچھ فاصلے پر چشمے کا رخ موڑ کر ایک حوض سا بنا ہوا تھا جس میں سے مستقل پانی بہے جا رہا تھا۔ یہاں سے وضو کیا تو ہاتھ پاؤں منجمد ہوتے معلوم ہوئے۔ گھنے سبزے کے باعث دھوپ بھی پوری طرح پہنچ نہ پا رہی تھی۔

مسجد والے صاحب اذان دے رہے تھے۔ ان کی آواز فطرت سے پوری طرح ہم آہنگ محسوس ہو رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ارد گرد موجود مرد مسجد کی طرف چل پڑے اور چھوٹی سی مسجد نمازیوں سے بھر گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو خواتین مسجد میں جمع ہونے لگیں۔ مرد مسجد کے ایک طرف اکٹھا تھے۔ انہیں شاید میں وکھری ٹائپ کا لگ رہا تھا چنانچہ تعارف کی ناکام کوشش شروع کی گئی۔ انگریزی کسی کو نہ آتی تھی چنانچہ اپنی فیملی کے ایک انگریزی تعلیم یافتہ فرزند کو آواز دی گئی جو کہ ترجمانی کا فریضہ انجام دیں۔ انہیں کچھ کچھ انگریزی آتی تھی جو تعارف کے لئے کافی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات یہاں سے کچھ دور بلیک سی پر واقع شہر "بارٹن" سے تعلق رکھتے ہیں۔ خاصی بڑی اور دین دار فیملی تھی جنہیں اپنے مسلمان اور ترک ہونے پر فخر تھا۔

اب ہمارا کوچ کا پروگرام تھا۔ چھٹی اور ساتویں جھیل دیکھنے کے بعد ہم واپس مڑے اور بولو کی جانب چل پڑے۔ اب ہم استنبول انقرہ جی ٹی روڈ پر تھے اور موٹر وے کے ایگزٹ کی طرف جا رہے تھے۔ گاڑی میں ابھی نصف ٹنکی ڈیزل موجود تھا مگر بہتر یہی تھا کہ ٹنکی بھی فل کروالی جائے

اور حوائج ضروریہ سے بھی فارغ ہو لیا جائے۔ پٹرول پمپ پر کہیں ٹائلٹ نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے اس بارے میں پٹرول ڈالنے والے صاحب سے پوچھا۔ یہ صاحب بات سمجھنے کی کوشش کرتے رہے مگر ناکام رہے۔ کچھ دیر غور و خوض کے بعد جب بات نہ بن پڑی تو اپنے منیجر کو بلا لائے۔ معاملہ اب مشکل ہو رہا تھا۔ میرے ذہن میں ٹائلٹ کے مترادف جتنے الفاظ آئے، میں نے کہہ دیے: "ٹائلٹ۔۔۔ ڈبلیوسی۔۔۔ حمام۔"

حمام کے لفظ پر منیجر صاحب پھڑک اٹھے۔ ہاتھوں کو اس طرح پھیلایا جیسے ان پر کوئی نقشہ رکھا ہوا ہو۔ کہنے لگے، ''آپ کے پاس نقشہ ہے؟'' میں نے نقشہ پیش کیا تو اس پر انقرہ کے قریب ایک مقام پر انگلی رکھ کر بولے، ''یہاں آپ کو بہت اچھے حمام مل جائیں گے۔'' گویا ان کے مشورے کے مطابق ہمیں حوائج ضروریہ کے لئے ڈیڑھ سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے انقرہ جانا چاہیے تھا۔ وہ حمام سے غسل والا حمام سمجھے تھے۔

اب ہم انقرہ موٹر وے پر داخل ہوئے اور مشرق کی جانب چل پڑے۔ جیسے ہماری موٹر وے M2&M1 کہلاتی ہے، اسی طرح یہاں کی موٹر وے کو O-4 کا نمبر دیا گیا تھا۔ کچھ دور جا کر ایک ریسٹ ایریا آیا۔ سبز پہاڑوں کے دامن میں خوبصورت عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ یہاں بڑا اچھا پارک بھی بنا ہوا تھا جس میں جھولے لگے تھے۔ ماریہ نے یہیں ڈیرا ڈال دیا۔ ہم سپر مارکیٹ کی طرف چل پڑے۔

سفر نامے کے نوٹس لکھنے کے لئے میرا پین گم ہو گیا تھا۔ یہاں سپر مارکیٹ میں بال پین تلاش کیا مگر نہ ملا۔ کاؤنٹر پر موجود خاتون سے اس کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگیں، "نو پین۔" ان کے اپنے لکھنے کے لئے بہت سے بال پین ایک ڈبے میں رکھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ انہی میں سے دے دیجیے۔ انہوں نے ڈبا میرے سامنے رکھا۔ میں نے ایک بال پین لیا اور قیمت

پوچھی۔ کہنے لگیں، ''نومنی۔''

ینی چاغا گولو اور الغاز نیشنل پارک

ریسٹ ایریا سے نکل کر کچھ دور چلے تو ایک خوبصورت منظر نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ کسی ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی موٹروے ایک حسین نیلی جھیل کے پاس سے گزر رہی تھی۔ ایک بورڈ پر اس کا نام "ینی چاغا گولو" لکھا ہوا تھا۔ یہ ایک بڑی جھیل تھی جس کے کنارے ہماری "ہالیجی جھیل" کی طرح سرکنڈوں کا گھنا جنگل تھا۔ جھیل کے کنارے پر ینی چاغا کا قصبہ تھا۔

جھیل سے کچھ آگے پہنچے تو ''گریڈی'' کا قصبہ آیا۔ یہاں سے ہمیں موٹروے سے باہر نکلنا تھا کیونکہ اب ہمیں بلیک سی کے کنارے واقع شہر ''سامسن'' کی طرف جانا تھا۔ ایگزٹ سے نکل کر اب ہم عام سڑک پر آ گئے۔ یہاں ایک ٹول پلازہ بنا ہوا تھا۔ یہاں 11 لیرا ٹول وصول کیا گیا جو میرے خیال میں کافی زیادہ تھا مگر بعد میں ترکی کے آخری سرے تک ہمیں کسی ٹول پلازہ کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

اب ہم دو رویہ اونچے نیچے راستے پر سفر کر رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر پہنچ کر ایک تاریخی شہر ''سفران بولو'' کو جانے والی سڑک بائیں جانب نکلتی نظر آئی۔ اس شہر میں ترکی کے قدیم گھر پائے جاتے ہیں۔ ہم یہاں نہ جا سکے بلکہ اسی سڑک پر سیدھے سفر کرتے ہوئے ''اتکارا چلار'' سے ہوتے ہوئے ''الغاز'' جا پہنچے۔ یہ شہر اپنے گھنے جنگل کی وجہ سے مشہور تھا اور اسے نیشنل پارک قرار دیا گیا تھا۔ یہاں کا منظر کچھ مختلف تھا۔ پہاڑوں پر موجود گھاس زرد ہو چکی تھی اور اس پر سبز رنگ کے گھنے درختوں کا جنگل تھا جو سڑک کے دونوں جانب پھیلا ہوا تھا۔

ترکوں کی اخلاقی تربیت

ہم اب استنبول سے 700 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر چکے تھے مگر صرف ایک جگہ ہی پولیس کی گاڑیاں دیکھی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترکی میں پولیس کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ اس کی

وجہ یہ ہے کہ یہاں جرائم بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ہم نے پورے ترکی میں کبھی یہ منظر نہیں دیکھا کہ کوئی شراب پی کر غل غپاڑہ کر رہا ہو۔ ہر شہر میں نائٹ کلب اور ڈسکو موجود تھے مگر وہاں جانے والوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔خواتین کے ساتھ بدتمیزی کا کوئی واقعہ ہم نے نہیں دیکھا۔ پولیس والوں کو گاڑیاں روک کر چیکنگ کرتے ہوئے کہیں بھی نہیں دیکھا۔

اس کی وجہ یہی سمجھ میں آئی کہ ان کے ہاں لوگوں کی اخلاقی تربیت کا نظام بہت مضبوط ہے۔ اگر لوگوں کی اخلاقی تربیت کر دی جائے تو پھر پولیس اور اس کی چیکنگ کی ضرورت بہت ہی کم رہ جاتی ہے۔ بعد میں جب ترک دانشوروں سے ملاقات ہوئی تو میرے اس اندازے کی تصدیق ہوگئی کہ ایسا ہی ہے۔

مجھ سے ایک بار ایک صاحب پوچھنے لگے کہ آپ اپنی تحریروں میں اخلاقی تربیت کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں؟ میں نے ان کی خدمت میں ایک مثال پیش کی۔فرض کر لیجیے کہ آپ کسی مقام پر کوئی پل بنانا چاہتے ہیں۔اس پل کی تعمیر کے لئے آپ کو جو انسانی وسائل درکار ہوں گے، ان میں کن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے؟ یقینی طور پر آپ کو ایسے انجینئر درکار ہوں گے جو اپنے فن میں پوری مہارت رکھتے ہوں۔انہیں ایسے پل بنانے کا تجربہ ہو۔انہوں نے کسی انجینئرنگ کے ادارے سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہو۔ان سب فنی خصوصیات کے ساتھ ساتھ وہ اخلاقی اعتبار سے اچھے اور دیانت دار انسان بھی ہوں۔

اگر آپ کسی ایسے شخص کو پل بنانے کا ٹھیکہ دے دیتے ہیں جو اپنے فن میں مہارت نہیں رکھتا تو لازمی طور پر پل اپنی تعمیر کے کچھ ہی عرصے بعد گر جائے گا۔ یہی معاملہ اخلاقی تربیت کا ہے۔ اگر آپ کسی اہل مگر بد دیانت انجینئر کو یہ کام سونپتے ہیں تو بھی نتیجہ یہی ہوگا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی تربیت کی اہمیت کلیدی ہے۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

غزل

زمیں کے مہکے نظّارے مری آنکھوں میں رہتے ہیں
فلک کے چاند اور تارے مری آنکھوں میں رہتے ہیں

مہکتے رنگ ' سبزے کی ردا ' خوشبو کے پیراہن
ہوا کے دوش پر سارے مری آنکھوں میں رہتے ہیں

ہوا میں رقص جگنو کا ' فلک پر چاند کی دستک
تری قدرت کے فن پارے مری آنکھوں میں رہتے ہیں

نظر کو تازگی ملتی ہے جھرنوں کے ترنّم سے
کہ سب بہتے ہوئے دھارے مری آنکھوں میں رہتے ہیں

جو لوگ ایمان اور اخلاق کی راہ پر چلتے ہیں
جنت خود ہی ان کی منزل بن جاتی ہے اور
جو لوگ خواہش اور تعصب کی راہ پر چلتے ہیں
جہنم خود بخود ان کی منزل بن جاتی ہے
(ابویحییٰ)

ابو یحییٰ کی نئی تصنیف

''حدیثِ دل''

زندگی اور شخصیت کی تعمیر کے لیے رہنما تحریریں
جو دل سے لکھی گئیں اور دل والوں کے لیے لکھی گئیں

نظر ثانی اور خصوصی اضافوں کے ساتھ ابو یحییٰ کی کتاب

''تیسری روشنی''

شائع ہو گئی ہے

☆ ابو یحییٰ کی داستان حیات۔ تلاش حق کی سچی کہانی
☆ نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد
☆ جب زندگی شروع ہوگی کے حوالے سے اٹھائے گئے اہم سوالات کا جواب
☆ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے والے رویوں کا تفصیلی بیان
☆ امت مسلمہ کے اتحاد کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے ایک رہنما تصنیف
☆ ابو یحییٰ کی ایک اور منفرد تصنیف

(مزید معلومات کے لیے رابطہ: 0332-3051201)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا کردار

اور تم بات نہ سنو ہر ایک:

بہت قسمیں کھانے والے،

ذلیل،

اشارہ باز،

چغلیاں لگانے والے،

بھلائی سے روکنے والے،

حد سے تجاوز کرنے والے،

حق مارنے والے،

سنگدل،

اور ان سب عیوب کے ساتھ بداصل شخص کی۔

یہ کردار اس وجہ سے ہوا کہ وہ مال و اولاد والا ہے۔

جب اس کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے، یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں۔"

(القلم 68:15-10)

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال مارلے، تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حال میں اس کی پیشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک اور ناراض ہونگے۔ (بخاری، مسلم)